

البیکٹیبائز

مختار راناحد درجہ تعلیم یافتہ انسان تھے۔ کینٹ یونیورسٹی (Kent) لندن سے بین الاقوامی امور میں پوسٹ گریجویٹ اور اس سے پہلے گورنمنٹ کاچ لاہور سے انگریزی میں ایم اے کیا۔ مزدوروں کے مسائل اور ان کو حل کرنے کا جنون انہیں لاہل پورے آیا۔ باسیں بازو کی سیاست سے گہرا شغف تھا۔ شہر کی ایک متوسط آبادی میں ”پیپلز آئیڈی“ قائم کی جس کا بنیادی کام تعلیم و تدریس تھا۔ ذوالافقاً علی بھٹو مختار رانا کے خیالات سے، بہت متاثر تھے۔ پیپلز پارٹی کے قیام کے ابتدائی خاکے نے لاہل پورے اسی پیپلز آئیڈی میں جنم لیا۔ 1970ء کے ایکشن سے پہلے مختار رانا کو گرفتار کر لیا گیا۔ بھٹو صاحب نے انہیں ایم این اے کا نکٹ دے دیا۔ جیل میں قید انسان بھلا کیا ایکشن لڑکتا ہے۔ مگر 1970ء کے ایکشن میں مختار رانا قومی اسمبلی کے ممبر بن گئے۔ جلوسوں میں اس سیاستدان کی سلاخوں کے پیچھے کی تصویر لگا کہ تقریریں کی جاتی تھیں۔ باسیں بازو کی سیاست پر مختار صاحب کو عبور تھا۔ مگر یہی روحان ان کے اور بھٹو صاحب کے درمیان ذاتی رثائی کا باعث بن گیا۔ رانا صاحب کا تعلق حد درجہ سفید پوش طبقے سے تھا۔ اس دور کی سیاست کا پیسہ سے زیادہ تعلق نہیں تھا۔

مارشل لاء کے بعد ضیاء الحق کو کسی طور پر بھی سیاسی تکریم نہیں مل رہی تھی۔ ریفرنڈم اور مجلس شوریٰ سب کچھ عوامی تائید سے محروم تھیں۔ ویسے آج بھی کئی ایسے سیاسی اکابرین ہیں جو مجلس شوریٰ کے خوشہ چیزوں سے تھے بلکہ جزء ضیاء کی بھرپور خوشامد کر کے ممبر بننے تھے۔ جزء ضیاء نے ایک ایسی حرکت کی جسے سیاسی اور سماجی غلطی کہنا زیادہ مناسب ہے۔ 1985ء میں غیر جماعتی بنیاد پر قومی اور صوبائی ایکشن کرواؤ والا۔ جو گھوڑا جیت گیا، وہی باڈشاہ کے دربار میں سرفراز ہوا۔ اس ایکشن میں ریاستی اداروں کی مداخلت پیسہ کے بے دریغ استعمال اور اذات برادری کا جادو سرچڑھ کر بولا۔ ملک میں ایک ایسی نئی سیاسی قیادت سامنے آئی جس کا کسی بھی سیاسی فکر سے کوئی تعلق نہیں تھا۔ جو افراد اسمبلیوں میں آئئے وہ ہر طرح کے فکری نظریہ سے محروم تھے۔ ہر صوبہ کا گورنر اہم امیدواروں اور پھر کامیاب ہونے والے امیدواروں کا انٹرو یوکرتا تھا۔ پھر اپنے اپنے صوبے میں وزیر اعلیٰ کے نام کا اعلان کر دیتا تھا۔ اس کے بعد گورنری نامزدوزیر اعلیٰ کے لئے ارکان اسمبلی سے ووٹ مانگتا تھا۔ اس غیر فطری طریقے سے ایک ایسی قومی اور صوبائی قیادت سامنے آئی جو سیاسی ساکھ اور بصیرت سے بالکل محروم تھی۔ اس کے بعد انہیں ممبران پر ریاستی وسائل کی پارش کر دی گئی۔ کسی کوشوگر مل دی گئی، کسی کوشی میتوں پر ناجائز قبضے کا پروانہ عطا کیا گیا۔ کوئی کپڑے کی مل کا مالک بن گیا اور کوئی نجکاری کے عمل سے فیض یا بٹھرا۔ قصہ منحصر یہ تقریباً ایک سو کے لگ بھگ ایسے خاندان وجود میں آگئے جو اپنے اپنے علاقوں میں ہر جائز اور ناجائز طریقے سے ناگزیر بن گئے۔ دولت، دھنس، تھانہ پتوار اور خوف کے سہارے یہ لوگ ہر سیاسی جماعت کی ضرورت بننے چلے گئے۔ انہیں لیکٹھیبلز کا نام دیا گیا۔ یہ تمام لوگ سیاسی یا نیم سیاسی نظام میں کلیدی رول حاصل کر گئے۔ اب ہوا کیا۔ پنجاب سے تعلق رکھنے والے صاف اول کے خاندان نے ان تمام لوگوں کو مزید مضبوط کیا۔ یہ اپنے اپنے علاقوں میں چھوٹے چھوٹے بادشاہ بنا دیے گئے۔ افسروں اور اہلکاروں کی تعیناتی سے لے کر رانفسپشنگ سب کچھ ان کے اشارہ ابرو سے ہونے لگا۔ پورے ملک میں ایک جیسی گراوٹ تھی۔ ان لیکٹھیبلز نے ہماری پوری سیاست کو روند دا۔ 1999ء کے بعد جب قلیگ بنی تو ان کی اکثریت اپنے مفادات کے تحت اس کے ساتھ جاتی۔ 2002ء کے ایکشن میں پی ایم ایل ان تقریباً ختم ہو گئی۔ اور یہ چیدہ چیدہ لوگ حکومت میں آگئے۔ 2002ء کے ایکشن میں پیپلز پارٹی ان کی چراگاہ بن گئی۔ اسی طریقے میں ان لیگ نے ان کو چھتر چھایہ فراہم کی۔ 2018ء کے ایکشن سے پہلے سب کو اندازہ تھا کہ اب تحریک انصاف آگے آنے والی ہے۔ لہذا یہ لوگ پیٹی آئی کے جھنڈے تلنے جمع ہوئے۔ ایک اضافی جملہ لکھنا بہت ضروری ہے۔ ان خاص ”بندوں“، کو خفیہ ہاتھ بھی ایک پارٹی سے دوسری سیاسی جماعت میں لے جاتے رہے۔ یہ لوگ تو اپنی جگہ برائے فروخت تو تھے ہی مگر اس رواج سے سیاسی روایات حد درجہ ضعیف ہو گئیں۔ قومی سطح کی مضبوط قیادت پنپنے میں مکمل طور پر ناکام ہو گئی۔ اب یہ تمام لوگ وہ سیاسی عذاب ہیں جو ہمارے پورے نظام کی شہرگ سے دولت زده خون چو سنے میں مصروف ہیں۔ انہیں کسی اخلاقیات یا نظریہ کے بغیر زندگی گزارنے کا فن آچکا ہے۔ یہ بھرپور ڈھنائی اور بغیر کسی نہامت کے سیاسی درخت بدلتے رہتے ہیں۔

اب ہوتا کیا ہے۔ کہ یہ سو کے قریب افراد جب ایک خاص پارٹی کو چھوڑ کر دوسری شاخ پر منتقل ہوتے ہیں تو پرانے سیاسی گھونسلے والے جمہوریت اور روایات کا روتا پیٹنا شروع کر دیتے ہیں۔ یعنی اگر یہ گھاک لوگ مسلم لیگ سے نکل کر پیپلز پارٹی میں چلے جائیں۔ تو مسلم لیگ کی قیادت قوم کو جمہوریت پر ایک بھاشن دینا شروع کر دیتی ہے۔ ہارس ٹریڈنگ کو ”گناہ“ بتایا جاتا ہے۔ اور یہی لوگ جب پیٹی آئی میں چلے جاتے ہیں تو تحریک انصاف کے نزدیک یہ جمہور کی مضبوطی ہے۔ حقیقت میں دیکھا جائے تو اس سے بڑا قومی فراؤ اور کوئی بھی نہیں ہے۔ جس نے زیادہ پیسے یا مراعات یا عہدوں سے نوازائیاں کے گھر کی باندی بن گئے۔ جب یہ قبل خان صاحب کے پاس پہنچنے تو بڑی خوشی سے ایجاد و قبول کا رشنا قائم ہو گیا۔ مگر خان صاحب یہ تاریخی بات فراموش کر گئے۔ کہ یہ ہرگز ہرگز نظریاتی لوگ نہیں ہیں۔ یہ صرف اس لئے ان کی جماعت میں آئئے یا لائے گئے ہیں کہ انہیں اقتدار، تحریک انصاف کو ملتا نظر آ رہا تھا۔ یہ بستی آج بھی بھرپور طریقے سے جاری ہے۔ آپ اخلاقی گراوٹ کا اندازہ لگائیے کہ اب ان میں سے اکثریت نئی چراگاہ کی طرف جانے کو تیار ہے۔ کیونکہ یہ پیشہ ور سیاستدان ہیں۔ طالب علم کو تو خیران کے آنے جانے سے کوئی سروکار نہیں۔ لیکن خان صاحب ان لوگوں کے مرحون منت ہو گئے۔ ویسے ہی جیسے پہلے حکمران تھے۔

مگر سپریم کورٹ میں صدارتی ریلفنس دائر کرنے کے بعد سیاسی تاریخ میں پہلی بار یہ خطرہ پیدا ہو چکا ہے کہ لیکٹھیبلز کو پارٹی بدلتے پر تگڑی سزا مل سکتی ہے۔ اس خدشہ کے پیش نظر تمام سیاسی جماعتوں حد درجہ بدھوں ہیں۔ سپریم کورٹ میں صدارتی ریلفنس پر فریق بننے کے لئے بے چین ہیں۔ کہ کہیں ان کی لوٹ مار کا سیاسی سرمایہ مٹی میں نہ مل جائے۔ رضا ربانی صاحب نے تو عدالت میں درخواست تک دے ڈالی کہ وہ کورٹ کی معاونت فرمائیں گے جو عدالتی نظام کے مطابق خارج کر دی گئی۔ اب سیاسی داویجہ میں وکلا کی مختلف تنظیموں کو استعمال کرنے کی کوشش جاری و ساری ہے۔ پیسے کا لین دین عروج پر ہے۔ ایک گروہ تو یہاں تک کہہ رہا ہے کہ پچاس ارب کے لگ بھگ بیرونی سرمایہ ملک میں مختلف سیاستدانوں اور با اثر گروہوں کو دیا گیا ہے، جو پورے معاشرے میں سیاسی بے چینی پھیلانے میں کوشش ہیں۔ یہ بات درست ہے یا غلط۔ اس کے متعلق وثائق سے کہنا کافی مشکل ہے۔ مگر یہ بات طے ہے کہ کسی بھی حکومت کو گرانے میں بیرونی امداد کا عمل دخل لازم رہا ہے۔ بھٹو صاحب کو تھنٹ سے محروم کرنے کے لئے بھی ڈالر کا استعمال کیا گیا تھا۔ چند انشور، تحریک عدم اعتماد کو اندر ہوئی اور بیرونی اسٹیلیشمیٹ کے ماہین جنگ کاروپ بھی فرمائے ہیں۔ بھرپور یہ بات طے ہے کہ ہمارے جیسے باعث عبرت معاشروں میں سیاسی روایات کی بجائے پیسے کا راجح حد درجہ طاقتور ہے۔

اب صدارتی ریلفنس، عدالت عظی میں موجود ہے۔ اس پر ہر فریق کے وکلاء آئینی اور قانونی بحث جاری رکھے ہوئے ہیں۔ الیکٹر انک میڈیا پرسارادن فاضل بچ جاہن کے پوچھنے ہوئے سوالات ”ٹکر“ کی حیثیت سے چلتے رہتے ہیں۔ بچ جاہن کے پوچھنے گئے ہر سوال کو مختلف سیاسی فریق اپنے موقف کے حساب سے مباحثہ کے طور پر بار بار بیان کرتے ہیں۔ اس صدارتی ریلفنس سے ہر جماعت کے سیاسی مفادات وابستہ ہیں۔ اگر پارٹی کی پالیسی کے خلاف ووٹ ڈالنے پر تاحیات ناٹھی ہو جاتی ہے تو یہ فیصلہ عدالت کی ہمارے نظام کی تطبیک کے لئے ایک سنگ میل کی حیثیت اختیار کر جائے گا۔ دولت کے ہاتھ بدلتے یعنی ہارس ٹریڈنگ پر پہلی بار ایک کاری ضرب پڑنے کا امکان واضح ہو جائے گا۔ شائد اس سے ہمارا سیاسی نظام بہتری کی جانب چل پڑے۔ ویسے مجھے تو بہتری کی کوئی امید نہیں ہے۔ شاید اب لیکٹھیبلز کے مسائل میں پہلی بار اضافہ ہو جائے۔ یہ قوم کیلئے بڑی خوشخبری ہو گی۔ تمام آنکھیں عدالت کے اوپر مکوڑ ہیں۔ سوال تو یہ بھی ہے کہ مختار رانا جیسے نظریاتی کا رکن اب ہر سیاسی جماعت میں معذوم ہو چکے ہیں۔ سیاست ذاتی مفادات، اقرباً پوری اور دولت کمانے کا ایک ادنیٰ طریقہ بن چکا ہے۔ شاید عدالت عظیمی کے فیصلے کے بعد کوئی فرق پڑ جائے۔